جناب محمد حسین خاں زبیری

جنگِ آزادی اور سرسیّد

مسلمانوں نے اس برصغیر میں کم و بیش ایک ہزار برس تک حکومت کی اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ شہنشاہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد اس عظیم الشان سلطنت کا زوال شروع ہوگیا اور ۱۷۰۷ء سے لے کر ۱۸۵۸ء تک ملک میں خانہ جنگی و طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا اور روز بروز ایسٹ انڈیا کمپنی کا اثر و اقتدار بڑھتا گیا۔ مسلمان من حیث القوم تباہ ہوتے رہے۔ انگریز مسلمان فرماں رواؤں کو کمزور اور بے دخل کرتے جا رہے تھے۔ عیسائیت کی تبلیغ کی مہم زور شور سے جاری تھی۔ خود مسلمانوں میں بھی انتشار تھا۔ ان میں اخلاقی، علمی اور عسکری و انتظامی کسی طرح کی بھی کوئی صلاحیت باقی نہیں رہی تھی۔ نہ کوئی نام نہاد تاجدار مغلیہ کو پوچھتا تھا۔ اور نہ بنگال و اودھ کو کوئی اہمیّت حاصل تھی۔ سیاسی حیثیت سے کمپنی ہی حقیقی طاقت کی مالک تھی۔

سلطنتِ مغلیہ کے اس عہدِ زوال میں وقتاً فوقتاً مذہبی اصلاح کی تحریکیں وجود میں آئیں تاکہ معاشرہ کی حالت درست ہو اور دوبارہ اقتدار حاصل ہوسکے۔ ان تحریکات میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ اُنھوں نے ان غیر اسلامی عناصر کی بیخ کنی کا ارادہ کیا جو مسلمانوں میں داخل ہوگئے تھے۔ اور شرعِ اسلام میں اجتہاد پر بھی زور دیا۔ چنانچہ شاہ صاحبؒ کی وفات کے پچاس برس کے اندر ہی اندر وہ تحریک شروع ہوئی جسے وہابی تحریک سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس تحریک کے دو پہلو تھے۔ ایک تو یہ کہ سنتِ رسول صلعم کی اتباع پر زور دیا جائے، اور دوسرا یہ کہ اگر اس راستے میں رکاوٹیں حائل ہوں تو انھیں دور کرنے کے لئے جہاد کیا جائے۔ اس سلسلے میں سب سے اہم کارنامہ سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جنھوں نے سکھوں کے خلاف جہاد کیا۔ ادھر بنگال میں فرائض تحریک اُبھری جو دراصل مذہب کے روپ میں ایک عوامی اور زرعی تحریک تھی جس کے مقاصد اسلامی مساوات کا قیام اور غربا سے ہمدردی کرنا تھا۔ بہرحال مسلمانوں میں ایک عام بے چینی اور بددلی پھیلی ہوئی تھی اور ۱۸۵۷ء میں جو کچھ ہوا اس کے لئے فضا تیار ہو رہی تھی۔

سرسیّد کی عمر ۱۳-۱۴ سال ہوگی جس وقت سید احمد شہید بریلوی نے اصلاحی تحریک شروع کی اور علم جہاد بلند کیا۔ لہٰذا انہوں نے اس تحریک کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ علاوہ ازیں شاہ عبدالعزیزؒ کے خاندان سے سرسیّد اور ان کے بزرگوں کے ارادت مندانہ تعلقات تھے انھوں نے شاہ اسمٰعیلؒ کے پُرجوش اور بصیرت افروز مواعظ میں بھی شرکت

کی تھی۔ ان دونوں بزرگوں کے کردار نے سرسیّد کے دل و دماغ کو بہت متاثر کیا تھا۔ اور اُنھوں نے آثار الصنادید کے پہلے ایڈیشن میں ان بزرگوں کے حالات جس والہانہ انداز میں لکھے ہیں اس سے ان کی عقیدت مندی کا پتہ چلتا ہے۔ اس تحریک کی ناکامی نے سرسیّد کا دل توڑ دیا تھا اور انھیں مسلمانوں کے اُبھرنے کی کوئی اُمید نہ رہی تھی۔ اور مذہب کے سہارے کسی تحریک کو کامیاب بنانے کی اُمید منقطع ہو گئی تھی۔ سیاسی طور پر مسلمانوں کی کوئی جان نہ تھی۔ سرسید کے بزرگوں کے تعلقات قلعہ معلّیٰ سے تھے۔ لیکن جب ان کے والد کا انتقال ہو گیا اور قلعہ کی تنخواہ بند ہو گئی تو انھوں نے نہایت غور و خوض کے بعد ایک دانش مندانہ قدم اُٹھایا اور وہ یہ کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت اختیار کر لی۔

دہلی میں جب ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ برپا ہوا تو اس وقت سرسید بجنور میں صدر امین تھے۔ دو تین دن میں وہاں بھی اس کی اطلاع پہنچ گئی اور بہت جلد سارے ضلع میں آگ پھیل گئی۔ آزاد افواج نے بجنور کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت وہاں عورتوں اور بچوں سمیت کل بیس یورپین افراد موجود تھے ان سب کو اپنی جانوں کا خطرہ تھا مگر سرسیّد نے ان کو اطمینان دلایا اور محاصرین سے بات چیت کر کے ان انگریزوں کو بخیریت رڑکی پہنچا دیا۔ اب ضلع بھر کا انتظام اور کل نظم و نسق سرسید کو سونپ دیا گیا۔ لیکن خود آزاد فوج میں اتحاد و اتفاق نہ تھا۔ ادھر سرسید کو اپنی جان کا خطرہ تھا لہٰذا وہ بے شمار خطرات کا مقابلہ کرتے ہوئے بجنور سے نکل کھڑے ہوئے اور پہلے میرٹھ اور اس کے بعد دہلی جا پہنچے۔ وہاں ان کا گھر بار لُٹ چکا تھا، کئی قریبی عزیز شہید ہو گئے تھے لیکن وہ اپنی والدہ اور بقیہ عزیزوں کو ساتھ لے کر میرٹھ واپس آئے جہاں دو ماہ بعد ہی انکی والدہ کا انتقال ہو گیا۔

چند ماہ بعد جب ہنگامہ فرو ہو گیا اور رفتہ رفتہ انگریزوں کا تسلّط دوبارہ قائم ہو گیا تو مسلمانوں کے لئے مشکلات اور مصائب کا ایک نیا باب شروع ہوا۔ ان حالات میں جب کہ ہر طرف حزن و مایوسی کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں سرسیّد کا منصۂ شہود پر آنا گویا آفتابِ اُمید کا طلوع ہونا تھا۔ اوّل تو وہ اس تباہی و بربادی سے اس قدر متاثر تھے کہ انھوں نے بھی مثل دیگر اکابرین علما صوفیا کے ارادہ کیا کہ ہندوستان سے ہجرت کر جائیں لیکن خدا کو مسلمانوں کے دن پھیرنے تھے کہ انھوں نے اس خیال کو ترک کر دیا۔ اس واقعہ کو اُنھوں نے ایجوکیشنل کانفرنس کے ایک اجلاس میں اپنی تقریر کے دوران میں اس طرح بیان کیا ہے :

> "غدر کے بعد مجھے اپنا گھر لُٹنے کا رنج تھا نہ مال و اسباب کے تلف ہونے کا۔ جو کچھ رنج تھا اپنی قوم کی بربادی کا اور ہندوستانیوں کے ہاتھ سے جو کچھ انگریزوں پر گزرا اس کا رنج تھا۔ جب ہمارے دوست مرحوم مسٹر شیکسپئیر نے جن کی مصیبتوں میں ہم اور ہماری مصیبتوں میں وہ شریک تھے بعوض اس وفاداری کے تعلقہ جہاں آباد جو سادات کے ایک نہایت نامی خاندان کی ملکیّت تھا اور لاکھ روپیہ سے زیادہ کی مالیت کا تھا مجھ کو دینا چاہا تو میرے دل کو نہایت صدمہ پہنچا میں نے اپنے دل میں کہا کہ مجھ سے زیادہ کوئی نالائق دنیا میں نہ ہوگا کہ

قوم پر تو یہ بربادی ہو اور میں ان کی جائداد لے کر تعلقدار بنوں۔ میں نے اس کے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میرا ارادہ ہندوستان میں رہنے کا نہیں ہے اور درحقیقت یہ بالکل سچی بات تھی میں اس وقت ہرگز نہیں سمجھتا تھا کہ قوم پھر پنپے گی اور کچھ عزت پائے گی اور جو حال اس وقت قوم کا تھا وہ مجھ سے دیکھا نہیں جاتا تھا چند روز میں اسی خیال اور اسی غم میں رہا۔ آپ یقین کیجئے کہ اس غم نے مجھے بڈھا کر دیا اور میرے بال سفید کر دئے۔۔۔ پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ نہایت نامردی اور بے مروتی کی بات ہے کہ اپنی قوم کو اس تباہی کی حالت میں چھوڑ کر میں خود کسی گوشۂ عافیت میں جا بیٹھوں نہیں! اس کے ساتھ مصیبت میں رہنا چاہئے اور جو مصیبت پڑی ہے اس کو دور کرنے میں ہمت باندھنی قومی فرض ہے۔ میں نے ارادۂ ہجرت موقوف اور قومی ہمدردی کو پسند کیا۔"

جنگ آزادی ختم ہو جانے کے بعد اس کا سخت ترین خمیازہ مسلمانوں ہی کو بھگتنا پڑا اور ایک قلیل عرصہ میں ایک بڑی قوم تباہ ہو گئی۔ اس میں حکمران قوم کا تعصب بھی شامل تھا کیونکہ انھوں نے مسلمانوں ہی سے حکومت چھینی تھی۔ اس بغاوت کا پورا الزام مسلمانوں ہی کے سر تھوپا جاتا تھا اور ان سے آئینی اور غیر آئینی طور پر انتقام لیا جاتا تھا چنانچہ جب فوجی عدالت میں بہادر شاہ ظفر کو ایک مجرم کی حیثیت سے پیش کیا گیا تو وکیل سرکار نے عدالت کے سامنے تقریر کے دوران میں کہا کہ:

"گو ہم اسلامی سازشوں کے کھوج میں جہاں تک ہماری تحقیقات لائی پہنچ گئے ہیں ہمیں ایسا کوئی کاغذ دستیاب نہیں ہوا جس سے یہ معلوم ہو کہ ہندوؤں نے بھی جماعت بن کر ہمارے خلاف سازش کی یا ان کے برہمنوں اور پنڈتوں نے عیسائیوں سے جہاد کی تبلیغ کی ہو۔ ان کے پاس کوئی بادشاہ تخت نشین کرانے کو نہ تھا۔ کوئی مذہب تلوار سے اشاعت کے لئے نہ تھا۔۔۔۔۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہندو سپاہی اپنی پہلی لغزش جذبات پر نادم ہوتے ہیں اور مسلمان سپاہیوں پر ملامت کرتے ہیں کہ انھوں نے بلا وجہ ہمیں گمراہ کیا۔"

غرض یہ ہے کہ سزا و جزا کا وہ بازار گرم ہوا جس میں رحم و انصاف کی جنس نہ تھی۔ سرسید اس حالت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"کوئی آفت ایسی نہیں جو اس زمانہ میں ہوئی ہو گو وہ رام دین اور ماتا دین نے ہی کی ہو اور یہ نہ کہا گیا ہو کہ مسلمانوں نے کی۔ کوئی بلا آسمان سے نہیں چلی جو اس نے پہنچنے سے پہلے مسلمانوں کا گھر نہ ڈھونڈا ہو۔ ان دنوں جو میری نگاہ سے انگریزی اخبارات کثرت سے گزرے اور جو کتابیں اس ہنگامہ کی بابت تصنیف ہوئیں وہ بھی میں نے دیکھیں اور ہر ایک میں یہی دیکھا کہ ہندوستان میں مفسد اور بدذات کوئی نہیں مگر

مسلمان! مسلمان!! مسلمان!!!

کوئی کانٹوں دار درخت اس زمانہ میں نہیں اُگا جو یہ نہ کہا گیا ہو کہ اس کا بیج مسلمانوں نے بویا تھا اور کوئی آتشیں ببولا نہیں اُٹھا جو یہ نہ کہا گیا ہو کہ مسلمانوں نے اُٹھایا ہے ....."

سرسیّد ایک حقیقت پسند انسان تھے سلطنت مغلیہ کے زوال اور مسلمانوں کی بدحالی نے ان کے قلب کو بیحد متاثر کیا تھا وہ اس شورش کے زمانہ میں مسلمانوں کی رہنمائی پر کمربستہ ہو گئے وہ طبعاً نہایت جری۔ باعمل۔ جلد فیصلہ کرنے والے ذکی الفہم۔ پُرجوش۔ حوصلہ مند اور دوربین تھے۔ انگریزی حکومت مستحکم ہو گئی تھی۔ ملک کی دوسری قومیں ان سے تعاون کر رہی تھیں اور آگے بڑھ رہی تھیں مسلمانوں کا مستقبل تاریک تھا۔ لہٰذا قوم کو قائم و برقرار رکھنے کے لئے انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان جو بے اعتمادی و بدگمانی کی خلیج حائل تھی اسے پاٹنے کی ضرورت تھی۔ اس میں شک نہیں کہ برصغیر کے علماء نے انگریزوں کے خلاف مذہبی جنگ لڑی اور اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جتنی تکالیف اور مصائب طبقۂ علماء نے برداشت کئے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ علماء مذہب کی جنگ میں بے دھڑک کود پڑے اور شکست کھا گئے۔ ان کی جنگ سیاسی جنگ نہ تھی۔ برخلاف اس کے سرسید کی سیاست میں جو سب سے نمایاں بات ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے جنگِ آزادی آئینی عنوان سے لڑی اور مسلم قوم کو مٹنے سے بچا لیا۔ وہ جانتے تھے کہ قوم کی اس بدحالی کے دَور میں برطانوی سامراج کے بڑھتے ہوئے طوفان کا قوت سے مقابلہ کرنا خودکشی کے مترادف ہے۔

اب جبکہ انگریزی حکومت کو ختم ہوئے دس سال گزر چکے ہیں تو ہمیں ہمت ہوئی ہے کہ غدر ۱۸۵۷ء کو "جنگِ آزادی" کے نام سے موسوم کریں۔ لیکن ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد اس دورِ ظلم و استبداد میں جبکہ جگہ جگہ درختوں میں پھانسی کی رسیاں لٹکی ہوئی تھیں اور قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا۔ لاتعداد بے گناہ محض اس لئے پھانسی پر لٹکا دئے جاتے تھے کہ وہ مسلمان ہیں۔ ایک شخص اُٹھتا ہے اور نہایت جرأت و دردمندی سے انگریزی حکومت کی چیرہ دستیوں کو بے نقاب کرتا ہے۔ ان کی غلطیاں بتاتا ہے۔ قوم کو بچانے کے لئے اپنی جان جوکھوں میں ڈالتا ہے۔ اسے انگریزوں کا خیرخواہ یا پٹھو کہنا اور اس کی جرأت و ہمت کی داد نہ دینا ظلم نہیں تو کیا ہے؟ سرسیّد نے برملا اعلان کیا کہ یہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ "غدر" نہ تھا بلکہ "بغاوت"۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ غدر اور بغاوت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ غدر کا تعلق محض فوج سے ہوتا ہے اور بغاوت کا تعلق پوری قوم سے۔ اس طرح انہوں نے انگریزوں کے اس نظریہ کی تردید کی کہ محض کارتوسوں کی بنا پر فوجی سپاہی باغی ہو گئے تھے۔ انہوں نے بے خوف ہو کر ۱۸۵۸ء میں رسالہ "اسباب بغاوتِ ہند" تالیف کیا اور ممبرانِ پارلیمنٹ کو بھیجا۔ باوجود اس کے کہ ان کے احباب و اعزا نے ان کو اس خطرناک اقدام سے روکا۔ لیکن وہ باز نہ آئے۔ وہ اس رسالہ میں بغاوت یا سرکشی کے نظری اسباب کا تجزیہ اس طرح کرتے ہیں:

"(۱) گورنمنٹ کا مقابلہ کرنا یا مخالفوں کے شریک ہونا یا مخالفانہ ارادے سے حکم نہ ماننا اور نہ بجا لانا یا نڈر ہو کر

گورنمنٹ کے حقوق اور حدود کو توڑنا سرکشی ہے۔

(۲) کوئی خاص بات عام سرکشی کا باعث نہیں ہوسکتی۔ ہاں عام سرکشی کا باعث یا کوئی ایسی عام بات ہوسکتی ہے جو سب کی طبیعتوں کے مخالف ہو یا متعدد باتیں ہوں یا کسی نے کسی گروہ کی طبیعت کو پھیر دیا ہو اور رفتہ رفتہ سرکشی عام ہوگئی۔"

اس کے بعد وہ نہایت صفائی سے لکھتے ہیں کہ:

"بلاشبہ پارلیمنٹ میں ہندوستان کی رعایا کی مداخلت غیر ممکن اور بے فائدہ محض تھی مگر لیجس لیٹو کونسل میں مداخلت نہ رکھنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ بس یہی ایک بات ہے جو جڑ ہے تمام ہندوستان کے فساد کی اور جتنی باتیں جمع ہوتی گئیں وہ سب اس کی شاخیں ہیں۔"

اس سے بھی بڑھ کر آگے فرماتے ہیں کہ:

"سب لوگ تسلیم کرتے آئے ہیں کہ واسطے اسلوبی اور خوبی اور پائیداری گورنمنٹ کے مداخلت رعایا کی ملک میں واجبات سے ہے ..... علی الخصوص ہماری حکومت کو جو غیر ملک میں رہنے والے تھے اور مذہب اور رواج اور راہ و رسم اور طبیعت اور عادت بھی اس ملک سے مختلف رکھتے تھے ..... قواعد گورنمنٹ ملک کے اوضاع و اطوار پر موقوف ہیں نہ کہ وہ اوضاع و اطوار اور عادات گورنمنٹ پر اور اسی بات میں گورنمنٹ کی پائداری اور قیام ہے۔"

غرض اس رسالہ میں اسی قسم کے خیالات جگہ جگہ ملتے ہیں۔ سرکشی کے اسباب تمام کے تمام مندرجہ ذیل پانچ اصول پر مبنی تھے:

(۱) غلط فہمی رعایا یعنی برعکس سمجھنا تجاویز گورنمنٹ کا۔

(۲) جاری ہونا ایسے آئین اور ضوابط اور طریقۂ حکومت کا جو ہندوستان کی حکومت اور ہندوستانیوں کی عادات کے مناسب نہ تھے یا مضرت رسانی کرتے تھے۔

(۳) ناواقف رہنا گورنمنٹ کا رعایا کے اصلی حالات اور اطوار اور عادات اور ان مصائب سے جو ان پر گزرتے ہیں اور جن سے رعایا کا دل گورنمنٹ سے پھٹا جاتا تھا۔

(۴) ترک ہونا ان امور کا ہماری گورنمنٹ کی طرف سے جن کا بجالانا ہماری گورنمنٹ پر ہندوستان کی حکومت کے لئے واجب اور لازم تھا۔

(۵) بدانتظامی اور بے اہتمامی فوج کی۔

ان پانچ اصولوں کو بیان کرنے کے بعد سرسید نے رسالہ میں ان کی تشریح و تفصیل بیان کی ہے جس کا اس

مختصر مضمون میں اعادہ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن یہ آپ کو ماننا پڑے گا کہ وہ ذات سرسید ہی کی تھی جس نے سب سے پہلے نمائندہ حکومت کا مطالبہ کیا اور ایسے وقت میں جب کہ ہر اس شخص کے لئے جس پر حکومت کو ذرا سا بھی شبہ ہو دار و رسن موجود تھے۔ وہ اپنی قوم اور اپنے ملک کے لئے سینہ سپر ہو کر آگے بڑھے اور انھوں نے بغاوت کا سبب اولین یہی بتلایا کہ کونسلوں میں ہندوستانیوں کی عدم مداخلت ہی اس کا باعث ہوئی حقیقت یہ ہے کہ یہ رسالہ سرسید کی ذہانت اور دور اندیشی کی بے نظیر مثال ہے۔ چنانچہ اس کی اشاعت کے تین سال بعد ہی ۱۸۶۱ء کا ایکٹ پاس ہو جانے کے بعد ہندوستانی ممبر کا تقرر کونسل میں کیا گیا۔ اور بقول صاحبزادہ آفتاب احمد خاں انڈین نیشنل کانگرس کے بانی مسٹر ہیوم نے ایک ملاقات میں صاحبزادہ صاحب سے فرمایا کہ "سرسید کی تصنیف اسباب بغاوت ہند ہی کا تصرف تھا جس سے مجھے سب سے پہلے انڈین نیشنل کانگرس جیسی ایک مجلس قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔"

وہ حضرات جو سرسید کے سیاسی اصول اور ان کے طرز عمل پر اعتراض کرتے ہیں۔ انھیں ایک لمحہ غور کرنا چاہئے کہ جس آزادی کا لطف برصغیر کے باشی "پاکستان" اور "بھارت" کی صورت میں آج اٹھا رہے ہیں اس کا سنگ بنیاد سرسید ہی نے رکھا تھا۔

(العلم)

مطبوعات مجلس ترقی ادب

غیب و شہود	مصنفہ سید نذیر نیازی	۳ ۴ ۰
تعارف جدید سیاسی نظریہ	مترجمہ عبدالمجید سالک و عبدالحصی	۲ ۱۲ ۰
حکمت قرآن	مترجمہ صوفی غلام مصطفےٰ تبسم	۱ ۰ ۰
دولت اقوام	مترجمہ شیخ عطاء اللہ و فخری	زیر طبع
فلسفۂ شریعت اسلام	مترجمہ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ	۵ ۰ ۰
نظام معاشرہ اور تعلیم	مترجمہ عبدالمجید سالک و عزیز	۴ ۰ ۰

سکرٹری بزم اقبال و مجلس ترقی ادب۔ نرسنگھداس گارڈن۔ لاہور